اس کا تہذیبی اور تعلیمی پس منظر کانونٹ کا تھا اسی لیے اس نے ٹماٹو کی بجائے ٹمیٹو کہا تھا..

سورج سر پر آگیا..

ایک زرد رنگت کا.. کہرے میں ٹھٹھر کر پیلاہٹ میں ڈھل جانے والی گھاس کی خاصیت کا.. ایک لمبوترا چھوٹے منہ اور ایک تکون نما کھردری دُم والا کرلا چٹان کی اس کوکھ میں سے برآمد ہوا جہاں اشیائے خورد و نوش کا سٹور تھا اور پھر ان دونوں کو یکدم سامنے پا کر نروس ہو گیا.. کچھ دیر سناٹے اور اچنبھے میں ششدر رہا اور پھر تیزی سے تارکول کی سطح کو پار کر کے دوسری جانب گھاس میں روپوش ہو گیا.. اس رینگنے والے کرلے کو اگر کئی ہزار گنا بڑا کر لیا جاتا تو وہ لاکھوں برس پیشتر معدوم ہو چکے اپنی گراں ڈیل دموں سے تباہی مچاتے ایک گوشت خور جانور کی صورت اختیار کر جاتا تھا..

کرلے کے نمودار ہونے پر... اس نے ایک خوفزدہ سسکی بھری اور اس کے پہلو میں آ کھڑی ہوئی..

اپنا ڈر کم کرنے کے لیے اس نے کہا "دھوپ کی تیزی تمہارے ماتھے پر ظاہر ہو رہی ہے.. تم اپنا بلیزر اتار سکتے ہو..."

خاور نے اس کے مشورے پر عمل نہیں کیا اور ایک سرکشی کے انداز میں پوچھا "تم چاہتی کیا ہو؟"

"یہی کہ تم اپنا بلیزر تار دو..."

"میں سنجیدگی سے تم سے مخاطب ہوں اور اگر تم اپنا رویہ نہیں بدلو گی تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا.. میں ذرا کند ذہن واقع ہوا ہوں اور اس سارے تماشے کو سمجھنے سے قاصر ہوں.. تم کیا چاہتی ہو؟"

"تمہیں..." اس کے آنسو بالآخر خشک ہو چکے تھے.. اور ان کے بغیر وہ اب بہت مختلف مزاج اور شکل کی لگتی تھی.. "کوئی خاص قصہ نہیں کوئی کہانی نہیں.. ہاں یہ درست ہے کہ یہ ایک تماشا ہی ہے.. یہی جو کچھ کل رات میں نے فون پر تمہیں بتایا تھا اس کے سوا کچھ بھی نہیں.. کالج کے دنوں میں جب تمہاری پہلی کتاب پڑھی، تمہیں پہلی بار ٹیلی ویژن پر باتیں کرتے دیکھا.. اور تم اصلی زندگی میں اتنے غصیلے اور ڈرا دینے والے نہیں لگتے... تو تب

سے.. میرا خیال تھا کہ یہ ایک ٹین ایج کرش ہے گزر جائے گا.. لیکن نہیں گزرا... پرورش پاتا رہا اور جڑیں پھیلاتا مضبوط ہوتا رہا... تب مجھ میں ہمت نہ تھی تم سے رابطہ کرنے کی.. شادی کے بعد بھی اس حماقت انگیز لگاؤ میں کوئی کمی نہ ہوئی... میرے بچے بھی جانتے ہیں کہ ٹیلی ویژن پر تمہارا کوئی پروگرام چل رہا ہو تو ممی کیسے اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھ جاتی ہیں' چپک جاتی ہیں.. وہ اکثر مجھے چھیڑتے ہیں اور میں جواب میں انہیں ڈانٹ دیتی ہوں لیکن دل ہی دل میں ان کی شکر گزار ہوتی ہوں کہ انہوں نے تمہارا تذکرہ کیا.. وہ تمہاری ہر نئی کتاب خرید کر میرے لیے لاتے ہیں کہ ممی آپ کے خاور صاحب... ظاہر ہے ان کے گمان میں بھی نہیں کہ یہ سب کچھ جسے وہ تفریح سمجھتے ہیں ممی ڈیئر کی زندگی کا سب سے گمبھیر مسئلہ ہے.. بس یہی تماشا ہے..."

"تم مجھے ایک کچے ذہن کی جذباتی عورت نہیں لگتیں جو لفظوں کے ہیر پھیر سے فریب میں آجائے... اپنے آپ کو فریب میں ڈال لے... صرف ٹیلی ویژن کی سکرین پر کسی چہرے کو دیکھ کر حواس کھو بیٹھے..."

"ہاں میں ایسی ہرگز نہیں ہوں.. بہت عملی اور حقائق کی روشنی میں نتیجے اخذ کرنے والی عورت ہوں.. زندگی کے بارے میں پُرعمل رسائی میری طبع میں گندھی ہوئی ہے اور خاندان کے افراد جو مجھ سے عمر میں بڑے بھی ہیں میری رائے جان کر کسی بھی مسئلے پر اپنی رائے تبدیل کر دیتے ہیں... میں تمہیں سینڈوچ لا کر دیتی ہوں.." اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ چنان کی طرف گئی اور سیلوفین میں پیک کیے گئے سینڈوچ لے کر واپس آگئی "بالکل فریش ہیں..." اس نے سینڈوچز کو سونگھا اور پھر ایک گلہری کی مانند ان کا ایک کونہ دانتوں سے کتر کر چبایا "بالکل تازہ ہیں... چکھ کر دیکھو..."

"مجھے بھوک نہیں ہے..."

"ناشتے کے بعد اب تک تم نے کچھ نہیں کھایا اس لیے بھوک تو ہوگی.. شاید تم میرا جوٹھا سینڈوچ کھانے سے کترا رہے ہو.. ہو سکتا ہے میں نے اس پر کوئی ٹونا کر دیا ہو..." وہ سر ہلاتے ہوئے مسکراتی گئی "میں نے صرف ایک بائٹ لی تھی تم دوسری طرف سے کھا لو.. پلیز..."

کھلی فضا میں سینڈوچ کا ذائقہ بہت تازہ اور تسلی دینے والا تھا.. ٹو میٹو البتہ تھوڑے

پژمردہ تھے لیکن ان کی بھی تازگی برقرار تھی۔۔

"اگر تم بقول تمہارے زندگی کے بارے میں پُرعمل رسائی پر یقین رکھتی ہو تو میرے بارے میں تمہارے رجحان میں عملیت کہاں ہے۔۔؟"

"صرف اس میں نہیں ہے۔۔" اس نے اپنے خوبی سے رنگے ہوئے بالوں کو ماتھے پر سے سمیٹ کر درست کیا "اینڈ آئی کینٹ ہیلپ اٹ"

"لیکن تم اس حقیقت سے آگاہ تو ہو کہ ادب 'لکھا ہوا لفظ ایک سراب ہے۔۔ کم از کم اسے لکھنے والا اصلی زندگی میں وہ نہیں ہوتا جو تحریر میں ظاہر ہوتا ہے۔۔ اس کے بس میں کوئی مسیحائی نہیں ہوتی۔۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنے کسی درد کی دوا کرتا' اپنے بکھیڑوں کو سلجھاتا۔۔ میں بھی وہ نہیں جو کتابوں میں دکھائی دیتا ہوں۔۔ کسی حد تک مکار ہوں اور جھوٹا بھی ہوں۔۔ ٹیلی ویژن پر بھی میرا چہرہ میک اپ کی ایک موٹی تہہ کا محتاج ہوتا ہے۔۔ تم چونکہ میرے بارے میں ہر شے جانتی ہو اس لیے تمہیں یقیناً میری تاریخ پیدائش کا بھی علم ہوگا۔۔۔"

"تم ساٹھ برس کے ہو گئے ہو۔۔"

"تو پھر۔۔۔"

"تو پھر یہ کہ عمر سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔۔"

"عمر سے بہت فرق پڑتا ہے۔۔۔ جب تم میری عمر کو پہنچو گی تب تمہیں بھی احساس ہوگا۔۔"

"تم ایک وکیل کی طرح دلائل دے رہے ہو۔۔" اس کی آنکھیں پھر سے بھرنے لگیں چہرے پر عمر کی جو کروٹیں ابھی نہیں ابھری تھیں وہ رنج کی کڑواہٹ سے ظاہر ہونے لگیں۔۔ "میں نے بھی اپنے آپ کو تم سے چھڑانے کے لیے متعدد بار یہی دلائل دیئے لیکن یہ قطعی کارگر نہیں ہوتے۔۔ ہر دلیل اپنے آپ کو رد کرتی چلی جاتی ہے۔۔"

"اور اس پورے تماشے کا ڈراپ سین یہ ملاقات ہے۔۔ یہی آخری مقصد ہے' مجھ سے ملنا۔۔۔"

"تم سے ملنا اور۔۔ تمہیں دیکھنا۔۔ میک اپ کی دبیز تہوں کے بغیر تم بہت بہتر لگتے ہو۔۔"

"لیکن اس عمر میں ہم دونوں کے درمیان محض ایک رومانوی تعلق تو ممکن

نہیں.. تو پھر تمہاری خواہش کیا ہے.. سیکس؟"

"نہیں..." اسے احساس ہوا کہ آنکھیں بھرنے کے بعد اس کے رخساروں پر گیلاہٹ پھیلنے لگی ہے اور اسے تعجب ہوا اور اس نے ہتھیلی سے انہیں پونچھا.. "نہیں.. مرزا صاحب اس سلسلے میں بہت پوٹنٹ ہیں اور بہت تسلی دینے والے ہیں... بلکہ ضرورت سے اور خواہش سے کہیں زیادہ ابنارمل حد تک.. لیکن ان کے لیے میری ذات یا وجود کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے... میری جگہ کوئی بھی ہو.. کوئی کال گرل... کوئی اوھیڑ عمر نوکرانی.. ہانگ کانگ کی کسی سیکس شاپ سے خریدے ہوئے بے شک صرف نسوانی اعضاء ہوں.. انہیں کچھ فرق نہیں پڑتا.. میں سیکس سے بھری ہوئی ہوں ناک تک.. بیزار ہوں.. تو خاور صاحب یہ میری ترجیحات میں کہیں بھی شامل نہیں.. اگرچہ مرزا صاحب اس معاملے میں زیادہ پر شوق نہ ہوتے تو اس کے بارے میں بھی غور کیا جا سکتا تھا.. لیکن پھر بھی تمہیں ملنے میں اس کی کشش کا کوئی کردار نہ ہوتا... میڈیا میں تمہاری موجودگی یا تمہاری تحریر بھی صرف ایک پہلا تعارف تھا.. اور پھر یہ دونوں بھی پس منظر میں چلے گئے.. کسی پارٹی میں یہ دو مہمان تھے جو مجھے تمہارے قریب لائے اور پھر رخصت ہو گئے.. مجھے ان سے بھی کوئی غرض نہیں.. چنانچہ جب مین اسٹریم کرش نہیں گزرا... ہز ڈلیل نے اپنے آپ کو موقوف کر دیا تو میں تم سے ملنے کی تمنا پالنے لگی.. شادی کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں مرزا صاحب کے بچے پال کر بڑے کروں گی.. ان کی شادیاں کروں گی اور پھر.. جو میں چاہتی ہوں وہ کروں گی..."

وہ اس آنسوؤں سے لبریز غلافی آنکھوں والی عورت کے لیے کچھ بھی محسوس نہیں کر رہا تھا... سوائے جنس مخالف کی موجودگی میں جو بے وجہ بے آرامی ہوتی ہے اس کے... ہوس، فخر، کشش یا فتح کا کوئی احساس کچھ بھی محسوس نہیں کر رہا تھا.. وہ ایک شے تھی، ایک کیس ایک کردار تھی اور خاور اسے بارہ کہو کی پہاڑیوں کے اندر ایک سٹیج پر پرفارم کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا ایک تماشائی کی طرح... وہ جو کچھ کہہ رہی تھی وہ مکالمے تھے جو اس نے یاد کر رکھے تھے اور اس کا چہرہ بولے گئے لفظوں کی ترجمانی کر رہا تھا.. اگرچہ وہ بالکل الگ اور ایک فاصلے سے اس کا مشاہدہ کر رہا تھا لیکن اس کی پرفارمنس میں ایک جھول تھا.. وہ بھرپور تاثر دینے کے لیے نہ ٹھہرتی تھی اور نہ کسی لفظ پر زور دیتی تھی متاثر کرنے کی کوشش نہیں کرتی تھی جس سے شائبہ ہوتا تھا کہ وہ محض اداکاری نہیں کر رہی..

"...اور اب میں وہی کر رہی ہوں جو میں چاہتی ہوں۔"

"آر یو میڈ؟"

"ہاں میں ہوں.. جہاں دلیل نہیں ہے جواز نہیں ہے وہاں تم ہو.. اس لیے آئی ایم میڈ..." اس نے پیک میں سے ایک اور سگریٹ نکالا اور اس کی انگلیاں جو کب کی شانت ہو چکی تھیں پھر سے کپکپانے لگیں اور اس نے وہ سگریٹ مشکل سے نکالا اور اس کی جانب بڑھا دیا "اسے سلگا کر مجھے دو... کیونکہ میں یکدم بہت نروس ہو گئی ہوں"

ڈھلتی دوپہر بارہ کہو کی پہاڑیوں کے خدوخال میں کہیں کہیں جہاں گہرائی تھی سائے بچھا رہی تھی.. تارکول کے فیتے جو ان کے کنوارپن کو مجروح کرتے تھے ابھی دھوپ میں تھے.. بہت نیچے جہاں سے وہ اوپر آئے تھے سملی ڈیم روڈ پر کبھی کبھار کوئی مسافر ویگن یا کار ایک ڈنکی کھلونے کی طرح رینگتی ظاہر ہوتی تھی اور پھر سلو موشن میں ان کی نظروں کے سامنے بہت دیر تک رہتی اور آہستہ آہستہ دائیں ہاتھ پر بلند ٹیلے کے پیچھے روپوش ہو جاتی..

اسے بلیزر اتارنے کی ضرورت نہ تھی' ہوا میں خنکی کا تناسب بڑھتا جا رہا تھا..

نہایت احتیاط سے رنگے اس کے بال ماتھے پر بکھرتے اور سمٹتے تھے لیکن وہ انہیں ہٹاتی نہ تھی.. بے دھیانی میں سگریٹ کے کش لگاتی اس کی موجودگی سے شاید غافل ہو چکی تھی..

شام ہونے لگی..

جس چٹان کی کوکھ میں مشروبات اور سینڈوچ سٹور کیے گئے تھے اس کا سایہ طویل ہوتا جھاڑیوں اور دوسرے پتھروں کی جانب رینگتا اور ان کی دھوپ جذب کرتا لمبا ہو رہا تھا.....

سملی جھیل کی جانب سے آنے والی ہوا جو کچھ دیر پہلے تک دھوپ کی حدت سے مہکتی تھی اب بے جان اور سرد ہو رہی تھی..

وہ تمنا اور عشق کی ایک متروک شدہ دیوی کی طرح تنہا اپنے آپ میں گم اس سے غافل سگریٹ کے کش لگاتی رہی.. اگرچہ متروک شدہ دیویوں کی آنکھیں اتنی غلافی اور دل پر اثر کرنے والی نہیں ہوتیں.. ایک طویل خاموشی کے بعد جس میں سردی در آئی تھی'

سائے طویل ہوئے تھے اور نیچے بارہ کہو کی آبادی اور پہاڑیوں میں سمٹے دیہات میں کہیں کہیں بلب ٹمٹمانے لگے تھے وہ بولی.. جیسے ہوا سے مخاطب ہو "تم جانتے ہو میری سب سے بڑی خواہش کیا ہے... تمہیں ایک تاریک کوٹھڑی میں بند کر دوں اور اس کے تالے کی چابی میرے پرس میں ہو.. جب جی چاہے اسے کھولوں اور تمہیں دیکھ لوں..."

"اس کوٹھڑی کے اندر آنے کی اس کی تنہائی میں کچھ وقت بسر کرنے کی خواہش نہیں ہے؟"

"نہیں.. مجھے تمہارے ساتھ سیکس کرنے کی کوئی خواہش نہیں ہے... صرف اس کا قفل کھولوں، کواڑ دھکیل کر تمہیں دیکھ لوں... اور گھر لوٹ جاؤں.. جب جی چاہے.."

"ایک ساٹھ سالہ شخص کو؟"

"یہ تو ایک دلیل ہے جو کارگر نہیں... عمر سے فرق نہیں پڑتا' یہ تم کب سمجھو گے؟"

دھوپ کی چادر سمٹ چکی تھی اور تاریکی اتر رہی تھی.. پہاڑیوں کا سبزہ گہرا ہو کر اندھیرے میں گم ہونے کو تھا.. نیچے سملی ڈیم روڈ پر کاریں بہت غور کرنے سے دکھائی دیتی تھیں لیکن ان کی ہیڈ لائٹس سڑک کے ایک مختصر حصے کو روشن کرتیں آگے بڑھتی تھیں..

"یہ سب کیا ہے؟" اس نے جھنجلا کر اپنے آپ سے کہا..

"محبت..." اس نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں میں تھاما اور ماتھے پر ایک طویل بوسہ دیا.. اس میں جنس نہ تھی' خود سپردگی کا کوئی شائبہ نہ تھا.. جیسے سکول جانے والے بچے کو اس کی ماں بوسہ دیتی ہے..

"میں.. اس جذبے سے واقف نہیں ہوں۔"

"نیور مائنڈ... لیکن ابھی مجھے جانا ہے.. آج رات آٹھ بجے میرے بیٹے کی دعوتِ ولیمہ ہے اور مجھے ایک معزز ماں کی طرح اس کے سسرال والوں کا استقبال کرنا ہے۔"

کہیں مڈل کلاس، کہیں متمول آسودہ اور کہیں بمشکل گزر اوقات کرنے والی اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی جھنجھناتی بھیڑ میں سے ایک لمبا تڑنگا نوجوان الگ ہوا اور اس کے پاس آکر نہایت جھجھک سے کہنے لگا.. "ایکس کیوزمی..."

وہ فلائٹ بورڈ کے ہندسوں کو سر اُٹھائے بہت دیر سے تکتا جا رہا تھا اور ابھی تک وہ فلائٹ چار سو اکتالیس پی کے .. جو کہ کراچی جانے والی تھی اور اُس کی فلائٹ تھی اُس کے جلتے بجھتے ہندسوں کو تلاش نہیں کر سکا تھا یہ جاننے کے لئے یہ پرواز پورے وقت پر روانہ ہو رہی ہے یا نہیں .. اور اگر نہیں تو وہ اس فالتو وقت کا کیا کرے گا.. فلائٹ آپریشن میں اپنی ایک واقف ادھیڑ عمر ایئر ہوسٹس کے پاس جا کر کافی کی فرمائش کرے گا یا کیا کرے گا جب اُس لمبے تڑنگے نوجوان نے اُس کے قریب آکر ایک جھجھک کے ساتھ "ایکس کیوزمی" کہا..

اُس نے فلائٹ بورڈ پر سے نظریں نیچی کر کے اُسے دیکھا... وہ ایک وجیہہ اور گورے چٹے رنگ کا نظروں میں سما جانے والا ینگ مین تھا جس کی مونچھوں میں سنہری پن تھا اور وہ ابھی مکمل طور پر گھنی اور مردانہ نہیں ہوئی تھیں۔ اُس کے چہرے پر ایک اجنبی سے مخاطب ہونے والا اڈر اور نوجوانی کا الہڑ پن تھا..

"معاف کیجئے گا..." وہ ذرا جھک کر بولا کیونکہ اُس کا قد نکلتا ہوا تھا۔

"جی..."

"آپ خاور حسین ہیں ناں؟"

"جی میں ہوں"

وہ نوجوان شش و پنج میں پڑ گیا.. جھجک گیا... اُس نے ایک اجنبی سے رابطہ کرنے کے لئے جو ہمت جمع کی تھی وہ شاید جواب دے گئی۔ وہ نظریں نیچی کر کے اپنی اُنگلیوں کو ایک دوسرے کے شکنجے سے جدا کرنے کی کوشش کرنے لگا اور پھر سیدھا ہو کر بظاہر بڑے اعتماد سے بولا "سر... آپ فلائٹ چار سو اکتالیس پی کے سے کراچی کیلئے سفر کر رہے ہیں؟"

"آئیڈیا تو یہی ہے.." اُس نے مسکرا کر کہا..

اُس کی مسکراہٹ نے نوجوان کے اعصاب کو بہتر کر دیا اور وہ نہایت مؤدب ہو کر کہنے لگا "سر.. میری والدہ بھی اسی فلائٹ سے کراچی جا رہی ہیں.. اینڈ شی از الون... سر وہ آپ کو بے حد ایڈمائر کرتی ہیں تو... کیا یہ ممکن ہے کہ... میرا مطلب ہے کہ وہ آپ کے ساتھ سفر کر سکیں..."

"بھئی اس میں میری اجازت کی تو چنداں ضرورت نہیں.. ایک ہی فلائٹ میں جانے والے تمام مسافر ایک ساتھ ہی سفر کرتے ہیں.."

"شاید میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ بیان نہیں کر سکا" نوجوان کا اعتماد پھر زائل ہو گیا "میرا مطلب ہے کہ وہ آپ کے برابر کی نشست حاصل کر لیں اور دوران سفر آپ کے ساتھ باتیں کر سکیں.. وہ آپ کو بے حد ایڈمائر کرتی ہیں سر... بلکہ مجھے کہنا تو نہیں چاہئے لیکن ہم اور ابو اُنہیں کبھی کبھار آپ کے حوالے سے چھیڑتے بھی ہیں.. جسٹ فار فن..." نوجوان جھجکتے ہوئے ہنسنے لگا... "آپ کو یہاں دیکھ کر میں نے ہی ماں جی سے کہا تھا کہ.."

جھجکتے، ہنستے، نیم سنہری مونچھوں والے... عمر کی ناپختگی میں زندگی کے بارے میں سب کچھ جان لینے کے زُعم میں گم نوجوان کے بلند قامت جُثے کے پیچھے وہ ہنستی تھی اور روپوش ہوتی تھی... پر اُس کی غلافی آنکھیں تیرتی ہوئی اپنے بیٹے کے چوڑے شانوں پر سے گزرتیں اُس تک آتی تھیں اور کہتی تھیں... چپ... بولنا نہیں!

وہ نہیں بولا۔

ایئرپورٹ کے اندر بورڈنگ کارڈ حاصل کرنے کے لئے کراچی کی فلائٹ کے لئے مسافروں کی جو مختصر قطار تھی وہ اُس کی پشت پر کھڑی بار بار اُس کی کمر میں کچوکے دیتی تھی اور

ہنستی تھی... وہ بُت بنا کھڑا اُس کی بیباکی سے عاجز آیا ہوا اپنے چہرے کو سنجیدہ اور لا تعلق اور اپنی عمر کے مطابق مدبر بنانے کی کوشش کرتا تھا..

عین ممکن تھا کہ اُس کا بیٹا ابھی تک ایئرپورٹ ہال میں کھڑا شیشوں کے پار اس قطار کو دیکھ رہا ہو جو بورڈنگ کاؤنٹر کے سامنے آہستہ آہستہ رینگتی تھی اور اپنی ماں کو نظر میں رکھتا ہو...

لیکن وہ جو اُسکے پیچھے کھڑی تھی اُسے اس امکان کی کوئی پروا نہ تھی..

وہ کبھی اُس کی فربہ کمر کو تھپکتی اور کبھی اُس کی ریڑھ کی ہڈی پر اُسے تنگ کرنے کے لئے اپنی انگلیاں پھیرنے لگتی.. اُس کا ماتھا پسینے سے بھیگنے لگا..

کبھی وہ قطار کے دباؤ کو بہانہ بنا کر اُس کی پشت سے آلگتی اور دیر تک لگی رہتی.. جیسے اپنے بدن کی گرمی اُس میں انجیکٹ کر رہی ہو اور پھر پیچھے ہو جاتی..

وہ ابھی تک نہیں بولا تھا..

دل ہی دل میں کڑھتا اور ہونٹ چباتا تھا اور ایک بے نام خوف کا پسینہ اُس کے تن بدن میں پھوٹتا تھا.. اُس کے پیچھے جو بھی مسافر تھا وہ اتنا بیوقوف تو نہیں تھا کہ اپنے آگے کھڑی خاتون کی بے چین انگلیوں اور اُس سے اگلے مسافر پر ذرا سا دباؤ سے تادیر جڑے رہنے کو ایک قدرتی عمل سمجھتا.. وہ اُس کی ناگہانی قربت میں ناخوش تھا.. اس بے خواہش رفاقت کو پسند نہیں کر رہا تھا.. لیکن وہ کیا کرتا... اُس زندگی کی حقیقتوں کے اچنبھے پن سے ابھی ناواقف نوجوان کو لکا سا جواب دے دیتا کہ نہیں تمہاری ماں میرے برابر کی نشست پر نہیں بیٹھ سکتی... اس لئے کہ یہ تقریباً ہر ہفتے بارہ کہو کی پہاڑیوں کے اندر میرے ساتھ ہوتی ہے اور اس کے بوسے کی گیلاہٹ ابھی تک میرے ماتھے پر ہے اور جس کار پر تم اسے ایئرپورٹ چھوڑنے آئے ہو اُس کا نمبر یہ ہے اور اُس کے اندر جو ایئر فریشنر ہے اُس کی مہک ایسی ہے..

وہ کیا کرتا..

مسافروں کی قطار ایک اذیت ناک آہستگی سے اٹک اٹک کر آگے بڑھتی تھی اور ہر اٹک کے ساتھ اُس کے سینے کا نرم اُبھار اُس کی پشت سے آلگتا تھا اور اُس کی حدت ٹویڈ کوٹ میں سرائیت کر کے اُس کے بدن میں سلگنے لگتی تھی..

وہ وہ اس سلگاہٹ کو ٹھنڈا نہ ہونے دیتی تھی..

اُس نے اُسے اپنے بیٹے کے جُتے کے پیچھے ہنستے اور روپوش ہوتے دیکھنے کے بعد اب تک ایک بار بھی مڑ کر نہ دیکھا تھا..

اور وہ ہر بار جب کوئی مسافر کاؤنٹر سے اپنا بورڈنگ کارڈ وصول کر کے جگہ خالی کرتا اور قطار میں کھڑے مسافر ایک قدم آگے بڑھاتے وہ اُس کی پشت سے آلگتی اور لگی رہتی تا آنکہ وہ اپنا قدم آگے بڑھا کر اُس کے نرم جُتے سے الگ نہ ہو جاتا..

وہ ابھی تک ایک ایسا کراس ورڈ پزل تھی جس کا ہر چوکور خانہ خالی تھا..

کہیں بھی کسی خانے میں کوئی ایک حرف ایسا نہ تھا جس کی مدد سے کوئی لفظ بنتا جو اُسے جاننے یا مکمل کرنے میں معاون ثابت ہوتا.. کہیں کوئی سراغ نہ تھا..

معمے کا ہر خانہ خالی تھا..

اور اُس میں اُس کا نام تک نہ تھا..

ٹیلی فون نمبر نہ تھا..

وہ کہاں سے 'کس رہائشی علاقے کے کونسے مکان سے برآمد ہو کر مری روڈ کی اُس کراسنگ پر آتی تھی اور پھر ہمیشہ اُسے اپنی کار لاک کر کے اپنے برابر میں بیٹھ جانے کو کہتی تھی اور ہمیشہ اُسی بلندی پر لے جاتی تھی جہاں سے بارہ کہو کا ایک فضائی منظر مکمل تنہائی اور سرسراتی ہوا میں نظر آتا تھا.. اور ہمیشہ چٹان کی کوکھ میں تازہ سینڈوچ اور مشروبات سٹور ہوتے تھے..

"تم نے ابھی تک مجھے اپنا نام نہیں بتایا..."

"میرا کوئی نام نہیں..."

"اپنی شناخت کو پوشیدہ رکھنا چاہتی ہو تاکہ میں اس کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھاؤں..."

"نہیں نہیں.. تم کہو تو اگلی ملاقات پر میں مرزا صاحب کو ساتھ لا سکتی ہوں.. لیکن واقعی میرا کوئی نام نہیں.. میں ابھی ابھی آسمان سے گری ہوں.. ابھی پیدا ہوئی ہوں.. اور نومولود بچے کا کوئی نام نہیں ہوتا.. تم مجھے نام دے دو..."

"کہاں رہتی ہو؟"

"اس کوٹھڑی کے باہر جس میں میں نے تمہیں بند کر رکھا ہے.. میں وہیں بیٹھی

رہتی ہوں اور جب جی چاہتا ہے تالا کھول کر تمہیں دیکھ لیتی ہوں۔۔"

"اور ٹیلی فون نمبر؟"

"نومولود بچوں کے پاس فون نہیں ہوتا..."

اُسے ہمہ وقت یہ احساس تو تھا کہ وہ کسی مصلحت کے تحت اپنی شناخت سے گریز نہیں کر رہی بلکہ وہ اس رشتے اور اس میل ملاپ میں ان چیزوں کو فروعی اور بیکار سمجھتی ہے... نام اور فون نمبر کا سوال کہیں آٹھویں ملاقات کے بعد ہوا تھا۔۔

پہلی چند ملاقاتوں میں وہ بڑی دیدہ دلیری سے آتی تھی۔ اُسے دیکھ لئے جانے کا یا پہچان لئے جانے کا کوئی ڈر نہ تھا بلکہ وہ اُس کا مزاق اُڑاتی کہ کبڑے ہو کر کیوں بیٹھے ہو۔۔ تمہارا خیال ہے کہ ہر سامنے سے آنے والی کار میں تمہارے واقف کار ہوں گے رشتے دار ہوں گے۔۔ اگر وہ دیکھ بھی لیں تو کیا ہوگا۔۔ زیادہ سے زیادہ تمہاری قسمت پر رشک کریں گے۔۔ دیکھ لو مجھے کوئی پرواہ نہیں حالانکہ یہ علاقے مرزا صاحب اور میرے بیٹوں کی جان پہچان والوں سے بھرے پڑے ہیں... پھر آہستہ آہستہ وہ احتیاط برتنے لگی اُس کا اعتماد ساتھ چھوڑنے لگا۔۔ ایک بہت بڑی سفید شال میں لپٹی 'ڈھکی اور چھپی ہوئی' پلاسٹک کے کنگ سائز گوگلز میں اپنا آدھا چہرہ روپوش کئے۔۔ صرف اُس کے ہاتھ دکھائی دیتے جو سٹیئرنگ پر کانپتے پھڑپھڑاتے رہتے۔۔ جیسے کسی ماتمی محفل میں جا رہی ہو۔۔ کار رُکنے سے پیشتر ہی وہ دروازہ کھول دیتی "پلیز جلدی سے بیٹھ جاؤ یہاں ہمارے جاننے والے بہت ہیں"

کار کے اندر بیٹھتے ہی اُس کی پہلی ڈیوٹی یہ ہوتی تھی کہ وہ ایک سگریٹ سلگا کر اُس کی لرزتی اُنگلیوں میں پرو دے۔۔ وہ ایک گہرا کش لگا کر اُس کی جانب دیکھتی اور ایک ذہنی طور پر پسماندہ بچے کی طرح مسکرانے لگتی۔۔ اُس کے آنسو گرنے لگتے اور وہ بار بار اپنی غلافی آنکھیں جھپکاتی... اب وہ مری روڈ کراسنگ پر اُس چائے خانے تک نہیں آتی تھی جہاں اُن کی پہلی ملاقات ہوئی تھی کیونکہ اُسے شک تھا کہ سڑک کے پار جو ورکشاپ ہے وہی ہے جہاں سے اُس کا خاوند اپنی کار کی ٹیوننگ اور سروسنگ کرواتا ہے۔۔ کوئی ایک سامنے سے آنے والی کار اُسے نروس کر دیتی اور وہ سن شیڈ نیچے کر کے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتی۔۔ چنانچہ جس طور اُس نے بارہ کہو کی پہاڑیوں میں وہ چٹان اور اُس کا تنہا ماحول دریافت کیا تھا اسی طرح اسلام آباد میں اُس نے مرگلا روڈ کے اُس ٹی جنکشن کو بے حد محفوظ قرار دیا جس کے دائیں

ہاتھ پر آئی ایس آئی کی رہائش گاہیں اور فارن آفس ہوسٹل تھا... مرگلا روڈ پر بھی زیادہ تر ریٹائرڈ بیوروکریٹس کے بنگلے تھے اور وہ صبح کی سیر کے بعد کم ہی باہر آتے تھے.. ان بیوروکریٹس کی زندگی بھر کی عادت کہ سر اونچا کر کے ناک کی سیدھ میں دیکھنا اور عوام الناس کو اپنی ایک نگاہ کے قابل بھی نہ سمجھنا اُس کے لئے بے حد مفید تھا... وہ کسی اور کو پہچاننے کی بجائے خود پہچانے جانے کے عادی تھے چنانچہ یہی مقام اُن کے لئے محفوظ اور مناسب تھا.. بلکہ صرف اُس کے لئے مناسب تھا کیونکہ خاور کو بارہ کہو کے گھر سے نکل کر خصوصی طور پر اسلام آباد آنا پڑتا.. یہاں وہ مرگلہ روڈ پر ٹریک تھری کی پارکنگ لاٹ میں کار کھڑی کر کے ٹی جنکشن کے قریب اُس کا انتظار کرتا... یہاں سے وہ دونوں پھر بارہ کہو کے لئے روانہ ہو جاتے اور شام کو یہیں واپسی کے بعد ایک مرتبہ پھر وہ اپنی کار میں سوار ہو کر اپنے گھر لوٹ جاتا.. گرے سوزوکی مرگلہ روڈ سے نیچے اُتر کر بائیں جانب میریٹ ہوٹل کے پہلو میں سے نکل کر ٹیلی ویژن سٹیشن کے کونے میں پہنچ کر پھر دائیں ہاتھ مڑ جاتی.. پارلیمنٹ ہاؤس اور پریذیڈنٹ ہاؤس... شارع دستور پر.. اور وہ چپ بیٹھی ایک اعصابی بے چینی کو دباؤ سگریٹ کے کش لگاتی خاموشی سے ڈرائیو کرتی رہتی.. جونہی وہ مری روڈ میں داخل ہوتے تو اُسے احساس ہوتا کہ وہ اسلام آباد کی گرفت میں سے نکل آئے ہیں اور اُس کا ذہنی تناؤ قدرے کم ہو جاتا.. صرف مری روڈ سے بارہ کہو کی آبادی میں داخل ہوتے ہوئے اُس کی اُنگلیاں پھر سے کپکپانے لگتیں اور جونہی وہ سملی ڈیم روڈ کو چھوڑ کر پہاڑیوں کے اوپر اپنی پناہ گاہ کے قریب پہنچتے وہ بالکل نارمل ہو جاتی اور پہلی بار اُس کی جانب دیکھ کر اپنے گوگلز اُتار کر مسکراتی ہوئی "ہیلو" کہتی اور پھر اپنی بستر کی چادر نما شال کو اُتار کر اُسے پچھلی نشست پر پھینکتے ہوئے کار سے باہر آ جاتی..

اس مقام کو وہ اپناز یرو پوائنٹ بھی کہتی..

چٹان کی کوکھ میں تازہ سینڈوچ اور مشروبات ہمیشہ موجود ہوتے..

خاور کو بھی اس مقام کی عادت ہو گئی تھی.. وہ چٹان کی ہر رگ کو پہچانتا تھا اس کا سایہ سورج ڈھلنے سے کس جھاڑی کی قربت میں سب سے پہلے رینگتا ہے اور اُس جھاڑی کے نیچے جس جنگلی چوہے کا بل ہے اُس نے پچھلی مرتبہ کی نسبت کتنی مٹی کھود کر بل کے باہر ڈھیر کی ہے.. پہلے روز اُس نے جو طویل تکونی دُم والا گرلا دیکھا تھا وہ اب بھی عین اُس وقت

پر جھاڑیوں میں سے بر آمد ہو کر سڑک پار کر کے دوسری جانب گھاس میں روپوش ہو جاتا تھا.. یہاں تک کہ اُسے یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہاں سے نیچے نظر آنے والی سملی ڈیم روڈ پر جو کاریں گزرتی ہیں اُن میں کونسی مقامی لوگوں کی ہیں اور باقاعدگی سے دکھائی دیتی ہیں اور کونسی سملی جھیل پر پکنک کے لئے جانے والوں کی ہو سکتی ہیں..

اُس مقام کی طرح خاور کو اس بے جواز اور بے رمز تعلق کی بھی عادت ہو گئی..

لیکن اُسے اُس کی بے نامی اور غیب سے ایک آسیب کی طرح چادر میں لپٹی ہوئی ظاہر ہونے کی عادت نہ ہوئی..

ایک روز جب اُس نے اپنی کانونٹ اخلاقیات کے تحت شرمندگی سے آنکھیں جھکاتے ہوئے چنگلی کھڑی کر کے اپنی اشد ضرورت کی نشاندہی کی اور پھر چٹان کی ڈھلوان میں جو چند جھاڑیاں تھیں اُن میں روپوش ہو گئی تو اُس نے ایک بے حد معیوب حرکت کی لیکن وہ رہ نہ سکا.. خاور نے فوراً اگلی نشست پر پڑے ہوئے اُس کے ہینڈ بیگ کو کھول کر اُس کی تلاشی لی.. اس احتیاط کے ساتھ کہ جونہی وہ جھاڑیوں میں سے نمودار ہو گی اُس کے کار تک پہنچنے سے پہلے پہلے وہ بیگ کو بند کر کے اگلی نشست پر رکھ دے گا.. بیگ میں کوئی ایسا کارڈ کوئی یوٹیلیٹی بل کوئی ایسی چٹ نہ تھی جس سے اُس کے نام' پتے یا فون نمبر کا سراغ ملتا... میک اپ کا مخصوص الابلا سامان' الائچی اور سونف کے دو پیکٹ' ہیروں کے دو بندے جو شاید اُسے ملنے سے پیشتر وہ اُتار لیتی تھی۔ اور دو تین تڑے مڑے نسخے' کچھ کیپسول اور گولیوں کے چند پتے..

اُن کی ملاقات کا دن اور وقت اور مقام طے تھا لیکن روزانہ ایک مخصوص وقت پر فون کی گھنٹی بجتی وہ چونگا اُٹھاتا تو دوسری جانب سے اُس کی ہنسی کی آواز آتی اور وہ فون بند کر دیتی.. یہ اُس کی مسلسل موجودگی کی اطلاع تھی..

خاور کے بدن کی ہڈیاں اور اعضاء موسموں کی بہت طویل مسافت میں سے گزرے تھے' اگرچہ اُن میں اب اعتدال نہ تھا... اُنہیں کسی بھی نسوانی بدن سے ملاپ کئے دس برس سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا لیکن اسکے باوجود اُسے قریب پا کر.. اور وہ اب بھی ایک پرکشش عورت تھی' پرانی وائن کی طرح گہرا اور تجربہ کار نشہ دینے کے قابل.. لیکن اُس کے اعضاء اُس کی قربت میں بھی کسی بھی جنسی ردعمل سے دوچار نہیں ہوتے تھے.. اُس کی چاہت یا حصول کے لئے اُن میں کہیں بھی حرکت نہ ہوتی تھی.. وہ لاتعلقی سے بیٹھا

رہتا' برابر میں کھڑا رہتا' بارہ کہو کے پھیلے ہوئے منظر کو تکتا اُس کی باتیں سنتا رہتا.. اپنے لئے اُس کی قدیمی محبت کے قصے سنتا رہتا اور مسکراتا رہتا... اگرچہ دھوپ کی تیزی میں جب وہ سوئٹر اُتارتی تو اُسکے پسینے کی گرم اور گیلی مہک اُسے چند لمحوں کے لئے پریشان کر دیتی.. جنسی حوالے سے نہیں بلکہ یہ ایک یادداشت تھی ایک سندیسہ تھا کہ کبھی ایسے وقت تھے جب ایسی مہک اُس کے لئے اجنبی نہ تھی..

وہ بھی پہلے روز کے بعد اُس کے گھر کے آگے سے اُس کا حوالہ دیئے بغیر گزر جاتی..

شاید اُس روز مری میں برفباری ہوئی تھی... بارہ کہو کی پہاڑی کو اُس سرد ہوا کا سامنا تھا جو براہ راست وہاں سے آرہی تھی... آسمان پر ہلکے ہلکے بادل تھے اور دُھوپ بجھ چکی تھی.. سردی کی شدّت بہت بڑھ گئی.. اُس نے حسب عادت کاٹن کے شلوار کُرتے کے ساتھ نیلا بلیزر پہن رکھا تھا.. اور یہ کافی نہ تھا.. وہ اپنے آپ پر جبر کرتا رہا اس یکدم برف ہو جانے والی ہوا کو برداشت کرتا رہا اور پھر اُس کے دانت بجنے لگے اور وہ بری طرح کپکپانے لگا.. شدید موسموں کو سہار جانے کے دن گزر چکے تھے اور وہ اُن کے آگے بے بس ہو چکا تھا..

"آر یو آل رائٹ؟" وہ اُس کی حالت دیکھ کر فکر مند ہو گئی "تم کار میں آجاؤ"

کار میں بیٹھ کر اُس نے ہیٹر آن کر دیا لیکن اُس کی کپکپی کسی طور تھمتی نہ تھی اور شرمندہ ہو رہا تھا کہ وہ اسے قابو میں لانے سے قاصر تھا "آئی ایم سوری.. لیکن جس طرح تم کہا کرتی ہو کہ.. آئی کینات ہیلپ اٹ"

"تم سوئٹر کیوں نہیں پہنتے.." اُس نے اُسے ڈانٹا "تم اب اتنے جوان نہیں رہے جتنے کہ تھے.."

"میں اچھی طرح جانتا ہوں.. لیکن مجھے معلوم نہیں تھا کہ ہوا یکدم ناقابل برداشت ہو جائے گی.." کار کے اندر ہیٹر کی گرمی نے ایک آسودگی کو جنم دے دیا تھا لیکن وہ اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے کپکپاہٹ پر قابو پانے میں ناکام ہو رہا تھا..

"تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے.." اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُس کی گردن پر اپنی لرزتی ہوئی اُنگلیاں رکھ دیں.. اور کھسک کر اُس کے قریب آگئی "کم از کم میرے لئے تمہیں اپنا

خیال رکھنا چاہئے۔۔"

مہنگی سلک کا لباس ہاتھ لگانے سے اُس کے بدن پر سے کھسکتا تھا۔۔اور اُس کے نیچے جو مسام تھے وہ پسینے سے بھرتے تھے اور اُنگلیوں کے نیچے جو لباس آتا تھا گیلا ہوتا چلا جاتا تھا۔۔۔وہ اُسے ایک بچے کی طرح تھپک رہی تھی' دلاسے دے رہی تھی چوم رہی تھی اُس کے لرزتے بدن کو تھام رہی تھی۔۔اپنی ناک اُس کی سرد گردن پر رگڑتی تھی اور اُس کے سینے تک لے آتی تھی جس کے سفید بالوں کی جڑوں میں سے بھاپ سی اُٹھتی تھی پسینہ پھوٹتا تھا۔۔۔کار کے ہیٹر کی گرمی بے وقعت ہو گئی تھی۔۔اُس کے منجمد اعضاء ایک مدت کے بعد تحرک سے آشنا ہو رہے تھے۔۔جیسے وہ اب تک کسی ڈیپ فریزر میں پڑے تھے اور اب اُنہیں مائیکروویو اوون میں رکھ کر بٹن دبا دیا گیا ہو اور اُس کی پلیٹ پر گھومتے برسوں کی جمی برف لمحوں میں پگھلتی جاتی تھی۔۔غلافی آنکھوں میں سے لگاتار بہت آنسو رخساروں پر پھیل کر اُنہیں تادیر گیلا نہیں رکھ سکتے تھے' اُن کی گیلاہٹ لمحوں میں خشک ہو جاتی تھی۔۔جیسے سردیوں میں نل کے تازہ پانی سے بھاپ اُٹھتی ہے۔۔۔

اُس کی کپکپاہٹ کو افاقہ تھا لیکن یہ اب اُس کے بدن میں منتقل ہو چکی تھی اور وہ بری طرح کانپنے لگی تھی۔۔

"آر یو آل رائٹ؟"

"میں۔۔میں ٹھیک ہوں لیکن۔۔تمہیں سوئٹر پہن کر آنا چاہئے تھا۔۔"

خاور نے اُس کی گردن پر ہاتھ رکھا۔۔

"ڈونٹ ٹچ می۔۔۔" وہ اپنی بے ترتیبی کو سمیٹتی ہوئی پرے ہو گئی۔۔۔اُس نے پچھلی نشست پر پڑی ہوئی چادر کو ہاتھ بڑھا کر کھینچا اور اپنے آپ کو اُس میں لپیٹنے کی کوشش کرنے لگی۔۔"ہم میں سے کسی ایک کو ایک سوئٹر کی اشد ضرورت ہے۔۔" لیکن اس کے باوجود وہ ٹھٹھرتی رہی۔۔

"میرا گھر یہاں سے دور نہیں ہے۔۔"

"نہیں۔۔۔" اُس نے ایک خوفزدہ ہچکی لی "میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں"

"بے شک۔۔لیکن ہمیں یہاں سے چلنا چاہئے۔۔"

"میرے گھر۔۔۔" اُس نے پھر کہا۔۔

"تم مجھے میرے گیٹ کے سامنے ڈراپ کردو.. ٹریک تھری کی کی پارکنگ لاٹ میں کھڑی میری کار محفوظ ہے میں کل جا کر لے آؤں گا.."

مونگیا رنگ کے آہنی گیٹ کے سامنے جس کے ایک ستون میں نیلے رنگ کے پلاسٹک کی کال بیل نصب تھی گرے سوزوکی رکی تو اُس کے اندر ایک نم آلود فضا تھی جس کی حدت ڈیش بورڈ' سٹیرنگ اور پوشش میں بھی رچ گئی تھی.. وہ اترا نہیں وہیں بیٹھا اُسے دیکھتا رہا.. اُس کی سفید شال میں جہاں جہاں اُس کے بدن کی کروٹیں تھیں وہ ہولے ہولے لرزش کا پتہ دیتی تھی..

"تم ذرا رُکو... میں اندر سے تمہارے لئے کوئی گرم چیز لے کر آتا ہوں.." اُسنے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا.. باہر جو برف صفت ہوا چل رہی تھی اُس نے کار کے اندرون میں پھیل کر لمحوں میں ہر شے کو یخ کر دیا..

"نہیں میں بھی چلتی ہوں..." وہ خوف کی ایک عجیب گرفت میں تھی۔

"رُکی رہو..." خاور نے ڈانٹ کر کہا "میں ابھی آتا ہوں"

"تو میں بھی آتی ہوں.. میں یہاں تنہا نہیں رہ سکتی.. مجھے ڈر آتا ہے"

گھر کے اندر ڈرائنگ روم میں صرف ایک ٹیبل لیمپ روشن تھا... ابھی شام نہیں اُتری تھی لیکن بادلوں کے باعث باہر اندھیرا چھا چکا تھا..

وہ اُس کے کندھوں پر سے جھانکتی جھجکتی اور ایک ایسے بچے کی طرح خوفزدہ جو کسی بھوت بھرے کھنڈر میں آنکلتا ہے اُسکے پیچھے پیچھے چلتی آگئی..

ہر شے ٹھہری ہوئی تھی.. ایک مردہ سکوت میں تھی.. دیواریں' صوفے اور ڈائننگ ٹیبل کی کرسیاں.. افغانی قالین.. وال کلاک.. تصویریں.. اُس کی بیٹیوں کی اور اُن کے خاوندوں اور بچوں کی... پنکھے.. لیمپ' پردے' ہر شے.. کیونکہ اُن میں سانس لینے والا کوئی نہ تھا.. اور مکینوں کی موجودگی ہی گھر کے سامان کو زندہ رکھتی ہے..

"یہاں تمہاری بیوی کی کوئی تصویر نہیں ہے؟"

"نہیں..."

"کیوں؟"

"اگر میں ابھی تک اُس فلیٹ میں ہوتا تو شاید وہاں ہوتی... میں اس گھر میں اُس

کے بغیر آیا تھا.. وہ یہاں نہیں ہو سکتی.. بیٹیوں نے خود اپنی تصویریں فریم کروا کے یہاں رکھی ہیں تاکہ.. میں تنہا محسوس نہ کروں"

"وہ کیسی تھی؟... تمہاری بیوی.."

"میں اُس کی کمی محسوس کرتا ہوں.."

بشیر یکدم گنگناتا ہوا اندر آگیا اور خاور کو غیر متوقع طور پر سامنے کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گیا.. پھر اُس کی نگاہ سفید شال میں لپٹی خاتون کی طرف گئی جو صاحب کے کندھوں کے پیچھے کپکپا رہی تھی... اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کو آئیں.... پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا..

"میں کوارٹر میں بیٹھا ریڈیو سنتا تھا صاحب تو گیٹ کھلنے کی آواز آئی تو میں نے سوچا ذرا چیک کروں.. کھانا تیار ہے' لگا دوں؟" اور اُس کی نظر اُس خاتون سے ہٹتی نہ تھی جو ٹھٹھری ہوئی لگتی تھی اور شاید وہ رو رہی تھی..

"تم ابھی کافی بنا کر لے آؤ.. جاؤ"

"جی..." جانے سے پہلے اُس نے پھر اُس عورت کی جانب کن انکھیوں سے دیکھا اور اُس لمحے اُس نے سر ہلا کر کہا "نہیں.. میں کافی نہیں پیوں گی.."

"تم جاؤ بشیر..."

"تم میری وارڈروب کی ہر آئٹم سے واقف ہو.. تمہارے لئے کیا لے کر آؤں.."

"نہیں نہیں.. میں اب بالکل ٹھیک ہوں.. میں تھوڑی سی بیمار بھی رہتی ہوں اس لئے سردی سہار نہیں سکتی... سردی بھی اور بے جا گرمی بھی.." اور وہ ابھی تک ٹھیک نہیں تھی.. سردی سے سمٹی جاتی تھی۔

"تم کچھ نہ کچھ پہن کر جاؤ گی... بے شک اپنے گھر میں داخل ہونے سے پیشتر اسے کوڑے کے ڈرم میں پھینک دینا.. کیا لاؤں؟"

"وہ نیوی بلو سویٹر... جو تم کبھی کبھار اس بلیزر کے نیچے پہنتے ہو.." اُس نے ذرا شرمندہ ہو کر بتایا۔ ڈرائنگ روم میں ہی کھلتا بیڈ روم کا دروازہ تھا جس کے اندر وہ وارڈروب تھی جو اُسے ازبر تھی اور اُسی میں نیلے رنگ کا سویٹر تھا..

وہ اُس کے پیچھے پیچھے چلی آئی..

خاور نے وارڈ روب کا دروازہ کھول کر نیلا سویٹر تلاش کیا اور وہ کپڑوں کی بے ترتیبی میں کہیں گم تھا.. مل نہیں رہا تھا.. وہ اس کی پشت سے آ لگی "سویٹر سے میری سردی کم نہیں ہو گی"

مہنگی سلک کی قمیض پر خزاں رسیدہ رنگوں کے بھورے پتے بکھرے ہوئے تھے اور ہر پتہ پسینے سے گیلا ہوتا تھا اور اس میں سے ہوا اڑ اٹھتی تھی.. ہر پتہ سلگتا تھا...

"تم مرزا صاحب جیسے نہیں ہو..." اس کی کپکپاہٹ ختم ہوئی تو اس نے کہا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

اُس کی تنہائی کے چپ سناٹے میں وہ بولتی تھی..

سندھ کے سروٹوں اور جنگل بیلوں میں جو مور بولتا تھا.. ایسے بولتی تھی..

جیسے اُس نے وہ مور کبھی نہیں دیکھا تھا' اُس پرندے کی شکل سے شناسانہ تھا جو اُس کے بھیتر میں بولتا تھا ایسے وہ بھی نامعلوم تھی.. کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں سے آتی ہے کہاں جاتی ہے..

روزمرہ کی زندگی کی روٹین میں جب کبھی اس کا خیال آتا تو وہ بے حد الجھن محسوس کرتا کہ اس معمے کے تمام خانے خالی کیوں ہیں.. اور وہ فیصلہ کر لیتا کہ اس تعلق کو جس میں جذباتی وارفتگی نام کو نہیں ختم کر دے گا.. اس کا فون آتا تو وہ نہایت سرد مہری سے بات کرتا.. مصروفیت کے بہانے بناتا.. اس کی ذات میں ذرہ بھر دلچسپی ظاہر نہ کرتا لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوتا.. وہ اسی پرجوش انداز میں باتیں کرتی چلی جاتی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پگھلنے لگتا اور وہ اس سے ملنے کو کہتی تو وہ انکار نہ کر سکتا..

کم از کم وہ چپ سناٹے میں بولتی تو تھی.. ایک اور انسان تھی جس کی رفاقت اُسے اکلاپے سے باہر لے آتی تھی اور اس کی چاہت کا بے مہابہ اظہار اس کی مردانہ انا کو کہیں نہ کہیں کچھ تسکین بھی دیتا تھا..

نیلے سویٹر کے اپی موڈ کے بعد ان کی گفتگو میں کبھی اس کا کوئی حوالہ نہ آیا.. نہ کوئی معنی خیز جملہ' نہ کوئی اس شام کو ایک ہی نظر میں بیان کر دینے والی کوئی نگاہ.. اسے شک ہوتا کہ کبھی ایسا ہوا بھی تھا یا نہیں.. صرف تیز دھوپ میں تادیر کھڑے رہنے سے اس کے بدن میں سے جو پسینہ پھوٹتا اور اس کی قمیض کو کہیں کہیں سے گیلا ہٹ دیتا تھا' اس کی بُو اُسے پہلے سے زیادہ پریشان کرتی..

زیرو پوائنٹ کی بلندی پر ایک اور دوپہر ڈھلی' شام ہوئی اور بارہ کہو اور سید پور کے دیہات پر سردیوں کی ایک اداس دھند گھنی اور سفید ہوتی کچے گھروں' کھیتوں اور ٹیلوں پر اُتری اور وہیں ٹھہر گئی.. اور اُس میں سے کہیں کہیں بلب ٹمٹمانے لگے.. کار کی ونڈ شیلڈ میں بھی ٹمٹماتے ہوئے وہ اندر آ گئے باہر سردی ہو گئی تھی اگرچہ خاور نے اپنا نیلا سویٹر پہنا ہوا تھا..

ان کی ملاقاتوں میں اب کوئی بوقلمونی نہ رہی تھی.. ہر شے ایک طے شدہ ضابطے کے ساتھ بغیر کسی تبدیلی کے جوں کی توں چلتی جاتی تھی.. ٹریک تھری کی پارکنگ میں کار پارک کرنے کے بعد مرگلہ روڈ پر اُس کا انتظار.. کار میں بیٹھتے ہی اُسے سگرٹ سلگا کر دینا.. کار کا اندرون' پوشش کے کپڑے کا رنگ اور ڈیزائن.. اُسی پہلے دن والے ایئر فریشنر کی مہک.. اور وہ بھی اُس کی وارڈ روب سے تقریباً واقف ہو چکا تھا.. اُس کی اُنگلیوں پر اُتری انگوٹھیاں' بریسلٹ.. یہاں تک کہ چٹان کی کوکھ میں سٹور شدہ مشروب بھی وہی اور وہی چکن اینڈ ٹمیٹو سینڈوچ... ان سب کی یکسانیت اس کے حواس پر اثر کرتی تھی... شائد مرد اور عورت کے تعلق میں جنس ایک ایسا جز ہے جو اس یکسانیت کو ریزہ ریزہ کرتا ہے.. لیکن خون سرد مہر ہو تو نسوانی بدن کے بلاوے پر بھی حدت میں آ کر خواہش کے سامنے بے بس نہیں ہوتا.. اور زندگی سپاٹ ہو کر ایک مکانکی انداز میں چلتی جاتی ہے.. تعلق ایک ہی سطح پر ہموار صورت میں جاری رہتا ہے' کسی اونچ نیچ سے دوچار نہیں ہوتا جس کے نتیجے میں اکتاہٹ جنم لیتی ہے اور رفاقت بھی پھر تنہائی کی صورت اختیار کر لیتی ہے..

گھر واپسی سے پیشتر وہ اپنا آخری سگرٹ پی رہی تھی..

رفاقت جو تنہائی کی شکل اختیار کر رہی تھی اُس کے اُلجھاؤ سے تنگ آ کر اُس نے کہا "یہ اگرچہ تماشا ہے لیکن اب تک میری سمجھ میں آ جانا چاہیے تھا... اور اس کی مدت کیا ہے؟ اس نے کتنی دیر جاری رہنا ہے.. فریدہ' آمنہ... یا نسرین جو بھی تم ہو... تم نے زندگی کے کچے برسوں میں جو ارادہ کیا تھا مجھ سے ملنے کا.. تمنا پالی تھی.. تو وہ سب تو ہو چکا.. اب اس کے آگے کیا ہے؟ تم چاہتی کیا ہو؟"

"تمہیں..."

"یہ میں بہت سن چکا ہوں.. یہ تو کوئی جواب نہیں.."

"میں اپنی اولاد کی قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ صرف یہی جواب ہے.."